قیامت کا منظر!

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ۙ﴿۱﴾ لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۘ﴿۲﴾ (الواقعہ ۵۶:۱-۲) جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا تو کوئی اُس کے واقع ہونے کو جھٹلانے والا نہ ہوگا۔

یہ سورۂ واقعہ کی آیات ہیں۔ سورۂ واقعہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ یہ سورۂ طٰہٰ کے بعد اور سورۂ شعرا سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ سورۂ طٰہٰ کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ ہجرتِ حبشہ کے زمانے میں نازل ہوئی تھی۔ اس لیے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پانچویں یا چھٹے سال میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ تفصیل کے ساتھ عالمِ آخرت کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ نیز جنت اور اہلِ جنت کا حال اور دوزخ اور اہلِ دوزخ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ توحید اور قرآن کے متعلق کفارِ مکّہ کے شبہات کی تردید کی گئی ہے۔

فرمایا گیا: جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا تو اس کے واقع ہونے کو جھٹلانے والا کوئی متنفس نہ ہوگا۔ ہونے والی بات سے مراد قیامت ہے۔ وہ تہ و بالا کر دینے والی آفت ہوگی۔ زمین اس وقت یکبارگی ہلا ڈالی جائے گی اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے کہ پراگندہ غبار بن کر رہ جائیں گے۔

آغازِ کلام خود اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے پیچھے کچھ خاص حالات تھے، جن کے پیش نظر یکا یک یہ بات اس طرح شروع کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن چیزوں کے ماننے کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے ان میں ایک اللہ تعالیٰ کی توحید اور دوسری چیز تھی آخرت۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر بھی لوگ ناک بھوں چڑھاتے تھے، لیکن سب سے زیادہ جس چیز کو

بڑے اچنبھے اور بہت حیرت سے وہ سنتے تھے اور جس چیز کا مذاق اُڑاتے تھے، اور جسے بالکل ناممکن اور مشتبہ سمجھتے تھے، وہ آخرت تھی۔

آغازِ کلام بتا رہا ہے کہ اس بات کے لوگوں میں چرچے ہو رہے ہیں اور آخرت کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ حیرت سے لوگ کہتے ہیں: بھلا یہ ایک عجیب بات سنائی جا رہی ہے کہ زمین اور سورج اور چاند، یہ سب ختم کر دیے جائیں گے اور سارے انسان ایک دم ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد دوبارہ وہ اُٹھائے جائیں گے اور یہ زمین و آسمان پھر بنیں گے۔ ان ساری چیزوں کے اُوپر لوگ حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔

آغازِ کلام اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ ہونے والی بات جب پیش آئے گی، اس وقت کوئی متنفس اس کو جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ یعنی آج اس کو تم جھٹلا رہے ہو، اس کو غلط قرار دے رہے ہو، اور یہ کہہ رہے ہو کہ یہ محض زبان کی جادوگری ہے، اور عجیب عجیب باتیں ہیں جو سنائی جا رہی ہیں۔ لیکن جس وقت تمھاری آنکھوں کے سامنے وہ واقعہ پیش آجائے گا اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ وہ واقعہ موجود ہے، اس وقت کسی کی یہ ہمت نہیں ہوگی اور کسی کے لیے ممکن نہیں ہوگا کہ کوئی شخص اس کو جھٹلا سکے اور یہ کہے کہ یہ ممکن نہیں ہے۔

آج اس دنیا میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اتنا عظیم الشان سورج فضا میں معلّق ہے۔ یہ زمین اور چاند فضا میں معلّق ہیں۔ آدمی کو کیوں نہیں حیرت ہوتی؟ کیوں نہیں کوئی شخص ان چیزوں کو جھٹلاتا؟ اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ سورج نکلا ہوا ہے تو کوئی یہ نہیں کہتا کہ تم غلط بات کہتے ہو۔ ایک چیز جب آنکھوں کے سامنے موجود ہے، چاہے وہ پہلے کتنی ہی حیرت انگیز آدمی کو معلوم ہوتی ہو، لیکن جب آنکھوں کے سامنے موجود ہے تو پھر کوئی شخص اسے جھٹلا نہیں سکتا۔

قیامت کا تذکرہ

اب اس کے بعد قیامت کے متعلق مختصر الفاظ میں بتایا جاتا ہے:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ (الواقعہ ۵۶:۱) جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا۔

مراد ہے آخرت اور قیامت۔ قیامت کے لیے یہاں واقعہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور کہیں سعہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ سعہ سے مراد گھڑی، یعنی وہ مقررہ وقت جو دنیا کے

ختم کرنے کے لیے طے کر دیا گیا ہے، اور واقعہ کے معنی ہیں ہونے والی بات، یعنی جس کا ہونا بالکل یقینی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب وہ ہونے والی بات پیش آجائے گی۔

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ (۲:۵۶) کوئی اس کے واقع ہونے کو جھٹلانے والا نہ ہوگا۔

اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ اس کے واقع ہوجانے کے بعد کسی شخص کے بس میں نہیں ہوگا کہ اس کو جھٹلا سکے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ آج تم اس کو جھٹلا رہے ہو، اس کا مذاق اُڑاتے ہو، لیکن جب وہ واقع ہوجائے گی تو کسی کے بس میں یہ نہیں رہے گا کہ اس کا انکار کر سکے اور اس کو جھٹلا سکے۔ وہ آنکھوں کے سامنے ہوگی اور لوگ خود اس کو بھگت رہے ہوں گے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ کسی میں یہ طاقت نہیں ہوگی کہ اس واقعہ کو غیر واقعہ بنا دے، یعنی اس کے واقع ہوجانے کے بعد کوئی اس کا ٹالنے والا نہیں ہوگا۔ کوئی اس کا روکنے والا نہیں ہوگا۔ کسی میں اتنا زور نہیں ہوگا کہ قیامت جب واقع ہو رہی ہو تو اس کو وہ تھام لے اور روک دے اور اس کو واقع نہ ہونے دے۔

اس میں خود بخود ایک چیلنج پوشیدہ ہے۔ یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ کچھ لوگ اس کو جھٹلا رہے تھے اور اس کو ماننے سے انکار کر رہے تھے۔ گویا ان کے لیے اس کے اندر ایک چیلنج ہے کہ آج تم اس کو جتنا جھٹلا سکتے ہو جھٹلا لو، لیکن جب وہ واقع ہوجائے گی تو تمھارے بس میں نہ رہے گا کہ تم یہ کہو کہ یہ اب واقع نہیں ہوئی، اور نہ یہ ہو سکے گا کہ اس کو واقعہ سے غیر واقعہ بنا دو۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ (۳:۵۶) وہ تہ و بالا کر دینے والی آفت ہوگی۔

یہاں وہ کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟

پہلی بات تو یہ فرمائی گئی کہ وہ اُٹھانے والی اور گرانے والی ہوگی۔ ایک مطلب تو اس کا صاف ہے کہ وہ تہہ و بالا کر دینے والی ہوگی۔ جیسے ہم اُردو زبان میں بھی بولتے ہیں تہہ و بالا کر دینا۔

دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہوگی کہ جو آج اس دُنیا میں بہت بڑے بنے ہوئے ہیں وہ چھوٹے بن کر رہ جائیں گے اور جو چھوٹے بنے ہوئے ہیں وہ بڑے بن جائیں گے۔

گویا دُنیا میں جو کچھ بھی لوگوں کے مراتب اور مناصب اور ان کی حیثیتیں قائم ہیں، یہ وہاں قائم رہنے والی نہیں۔ اس دُنیا میں لوگوں کی حیثیتیں نامعلوم کس کس طرح قائم ہوتی ہیں۔ کسی کے

پاس دولت ہے، اس وجہ سے وہ بڑی شخصیت بنا ہوا ہے درآں حالیکہ وہ آدمی کی حیثیت سے نہایت ذلیل اور نہایت گھٹیا انسان ہے۔ کسی کو اللہ نے اقتدار دے دیا ہے اور وہ بڑی چیز بن گیا ہے درآں حالیکہ انسان ہونے کی حیثیت سے بہت گرا ہوا آدمی ہے۔ کوئی آدمی ذلیل وخوار بن کے رہ جاتا ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی حالانکہ اخلاقی حیثیت سے وہ بڑا گریٹ آدمی ہے۔ لہٰذا جب قیامت آئے گی تو اس وقت دُنیا کے یہ غلط اور مصنوعی مرتبے سب ختم ہوجائیں گے۔ حقیقت میں کسی انسان کا جو مرتبہ ہے، وہ اس کے مطابق reduce ہوکر رہ جائے گا۔ دُنیا میں اگر کوئی آدمی بہت بڑی چیز بنا ہوا ہے، تو وہاں اس کی ساری بڑائی ختم ہوکر رہ جائے گی اور اس کی اصل حیثیت باقی رہے گی۔ اگر کوئی آدمی اس دُنیا میں گرا کر رکھا گیا ہے لیکن آخرت میں وہ اُٹھایا جائے گا اور اُس حیثیت پر پہنچایا جائے گا جو اُس کی اصل حیثیت ہے۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝
(۵۶:۴-۶) جب زمین پھڑ پھڑائے گی اور بُری طرح پھڑ پھڑائے گی اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے کہ پراگندہ غبار بن کر رہ جائیں گے۔

اب چند الفاظ میں قیامت کی کیفیت یہ بیان کی گئی ہے کہ زمین ہلا ماری جائے گی، یعنی ایک شدید زلزلہ ہوگا۔ اس نوعیت کا زلزلہ نہیں ہوگا جیسے کہ اس دنیا میں ہوتے ہیں کہ کسی ایک حصّے میں آگیا اور وہ بھی اس شدت کا نہیں ہوگا بلکہ ایک معمولی حرکت ہے کہ جس سے بستیاں کی بستیاں اُلٹ جاتی ہیں۔ اُس وقت پوری زمین ہلا ڈالی جائے گی۔ پورے کرۂ زمین کے اُوپر زلزلہ آئے گا اور یہ اس قدر زبردست زلزلہ ہوگا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ اس طرح سے ریزہ ریزہ ہوں گے جیسے پراگندہ غبار ہوں۔ وہ اتنے باریک ذرات ہوں گے کہ ہوا اُنھیں اڑائے پھرے گی۔ ان بلند وبالا پہاڑوں کی حالت ایسی ہوگی جیسے گردوغبار۔

انسانوں کی تین گروہوں میں تقسیم

اب اس کے بعد بتایا جاتا ہے کہ انسانوں کا وہاں کیا انجام ہوگا؟

وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ (۵۶:۷-۹) تم لوگ اس وقت تین گروہوں

میں تقسیم ہوجاؤ گے: دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں (کی خوش نصیبی) کا کیا کہنا۔ اور بائیں بازو والے، تو بائیں بازو والوں (کی بدنصیبی) کا کیا ٹھکانا۔

اس روز تمام انسان تین حصوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔ یہ تقسیم سراسر اخلاقی بنیادوں پر ہوگی۔ یہ تقسیم اس لحاظ سے نہیں ہوگی کہ کسی کا نسب کیا ہے اور کون کس کی اولاد ہے، نہ اس لحاظ سے ہوگی کہ اس کے پاس دولت کتنی ہے، نہ اس لحاظ سے ہوگی کہ اس کو خطابات کیا ملے ہوئے ہیں؟ یہ تقسیم ان حیثیتوں پر نہیں ہوگی بلکہ خالص اخلاقی بنیادوں پر انسان تین اقسام میں منقسم ہوں گے۔ اب وہ قسمیں بتائی جارہی ہیں:

دائیں بازو والے

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ (۸:۵۶) دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں (کی خوش نصیبی) کا کیا کہنا۔

ایک گروہ وہ ہوگا جو اصحابِ میمنہ ہے۔ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ اصحابِ میمنہ کے کیا کہنے۔ میمنہ کو اگر یُمن سے لیا جائے تو اس کے دو ہی روٹس ہوسکتے ہیں: یُمن اور یمین۔ میمنہ کا لفظ اگر یُمن سے لیا جائے تو یمین کے عربی زبان میں معنی ہیں سعادت اور خوش حالی اور نیک بختی۔ اس مفہوم میں یہ نیک فال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی وہ لوگ کہ جو دنیا میں اپنے نیک اعمال کی وجہ سے وہاں اُمیدوار ہیں کہ ہمارا انجام اچھا ہوگا۔ گویا اصحاب المیمنہ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ کہ جو Optimist ہیں، یعنی اچھی توقعات رکھتے ہیں، اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں، مایوس نہیں ہیں۔ ایک معنی اصحاب میمنہ کے یہ ہیں۔

اگر اس لفظ کو یمین سے لیا جائے تو عربی زبان میں یمین سیدھے ہاتھ کو کہتے ہیں۔ عربی زبان کے محاورے کی رُو سے سیدھے ہاتھ پر کسی شخص کو لینا یا بٹھایا جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ اس کو عزّت دے رہے ہیں، اور بائیں ہاتھ پر کسی شخص کو لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کا درجہ گرا رہے ہیں اور اس کی حیثیت کم کررہے ہیں۔ یہ گویا عربوں کے ہاں دستور ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ کسی کو سیدھے ہاتھ والا کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ بلند درجے کا ہے اور کسی کو بائیں ہاتھ والا کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ پست درجے اور کم درجے کا ہے۔ یہ دونوں معنی اصحاب المیمنہ کے ہیں۔

اصحاب میمنہ کو اگر یمین سے لیا جائے تو اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ دائیں جانب جگہ دیں گے، اور اگر یُمن سے لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کہ جو پہلے سے اعمال اور اپنے اخلاق اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کی بنا پر اُمیدوار ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیا جائے جس کو انگریزی میں Pessimistic اور Optimistic کہتے ہیں، یعنی ایک وہ آدمی ہے کہ جو اچھی اُمید رکھتا ہے اور ایک وہ آدمی ہے جو پہلے ہی سے مایوس ہے۔ جس آدمی کو پہلے سے اپنا بُرا انجام نظر آرہا ہے وہ اصحاب مَشْـَٔمَةِ ہیں۔ شُؤْم کہتے ہیں نحوست اور بدبختی کو۔ اور جو شخص بُرے انجام کے خطرے میں مبتلا ہو، گویا وہ شُؤْم میں مبتلا ہے۔ اصحابِ میمنہ وہ لوگ ہیں جو اُمیدوار ہیں اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اچھا معاملہ کرے۔ جو اپنے اعمالِ نیک کی وجہ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں نہیں بھیجے گا۔

گویا اصحاب المیمنہ کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجے پر رکھے جائیں گے، جن کو عزت دی جائے گی، شرف دیا جائے گا۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ جو آخرت میں اپنے نیک انجام کے متوقع ہوں گے اور جن پر عالمِ یاس طاری نہیں ہوگا۔

بائیں بازو والے

وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۹﴾ (۵۶:۹) بائیں بازو والے، تو بائیں بازوں والوں (کی بدنصیبی) کا کیا ٹھکانا۔

مَشْـَٔمَہ کا لفظ شُؤْم سے نکلا ہے۔ شُؤْم کے معنی بدفالی کے ہیں۔ اصحابِ مَشْـَٔمَہ سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو عالمِ آخرت میں جب اٹھائے جائیں گے تو ان پر یاس کی حالت طاری ہوگی اور کوئی نیک اُمید نہیں ہوگی جس کو pesimistic کہتے ہیں۔ وہ کوئی اچھی اُمیدیں نہ رکھتے ہوں گے۔ ان کو یہ خیال ہوگا کہ ہم دنیا میں جو کچھ کر کے آئے ہیں اس وجہ سے ہمارا انجام بُرا ہوگا۔

مرنے کے بعد ہی آدمی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میں یہاں کس حیثیت میں آیا ہوں بلکہ عین مرنے کے وقت ہی آدمی کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں میں کس حیثیت سے آیا ہوں؟ یہ بالکل ایسا ہے کہ جیسے کوئی مجرم ہو اور جب پولیس اس کے دروازے پر اس کو پکڑنے کے لیے آتی ہے، تو وہ آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ پولیس والے ہتھکڑی لیے ہوئے آئے ہیں۔ اس وجہ سے

اسی وقت اس کو معلوم ہوجاتا ہے کہ میں آج مجرم کی حیثیت سے پکڑا جاؤں گا۔ اگر کسی آدمی کو کسی بڑے دربار میں کوئی بڑا رُتبہ دینے کے لیے اس کو بلایا جاتا ہے، تو جو لوگ اس کو لینے کے لیے آتے ہیں ان کو دیکھتے ہی اس کو معلوم ہوجاتا ہے کہ میں عزّت کے ساتھ لے جایا جارہا ہوں۔ اسی طرح مرنے کے وقت ہی آدمی کو پتہ چل جاتا ہے کہ کس قسم کے فرشتے، کس شکل وصورت میں آئے ہیں۔ اسی وقت معلوم ہوجاتا ہے کہ گویا میں مجرم کی حیثیت سے جارہا ہوں یا میں مہمان کی حیثیت سے جارہا ہوں۔ اس وجہ سے اصحابِ مشئمہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو اوّل روز سے یہ معلوم ہے کہ ہم مجرم کی حیثیت سے آئے ہیں اور ہمارا انجام خراب ہے۔ اصحابِ میمنہ وہ ہیں جن کو اوّل روز سے اُمید ہے کہ ہمارے ساتھ اچھا ہی معاملہ کیا جائے گا۔ ہم مہمان کی حیثیت سے جارہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بُرا معاملہ نہیں کرے گا۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (۸:۵۶) دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں (کی خوش نصیبی) کا کیا کہنا۔

اصحاب میمنہ کے کیا کہنے؟ جیسے ہم اُردو زبان میں بولتے ہیں کہ اس کے کیا کہنے۔ اس کا تو بڑا ہی مزہ ہے۔

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ (۹:۵۶) اور بائیں بازو والے، تو بائیں بازو والوں (کی بدنصیبی) کا کیا ٹھکانا۔

اصحاب المشئمہ ان کا کیا پوچھتے ہو؟ جیسے ہم اُردو میں بولتے ہیں اس کا کیا پوچھتے ہو؟ مطلب یہ ہے کہ اس کا تو بُرا حال ہی ہوگا۔

سبقت لے جانے والے

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ (۱۰:۵۶) اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔

سابقون سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو لوگ پہلے ایمان لائے، بلکہ سابقون سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے دین کے معاملے میں، نیکی اور بھلائی کے معاملے میں دوڑ کر اور لپک کر حصّہ لیں۔ سب سے پہلے وہ حصّہ لینے والے ہوں جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ لوگ صفِ اوّل کے لوگ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو ہر معاملے میں پیش پیش ہوں۔ نیکی اور بھلائی میں تو

سابقون کا لفظ ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، مثلاً لوگوں کے اُوپر اگر کوئی آناً فاناً مصیبت آئی ہو، تو سب سے پہلے جو لوگ نکل کر آئیں گے اور دوڑیں گے اس بات کے لیے کہ جا کر ان کو اس مصیبت سے بچائیں، وہ سابقون ہیں۔ اسی طرح سے مثلاً دینِ اسلام کے اُوپر کوئی سخت وقت آ گیا ہے، دشمنوں کا کوئی نرغہ ہے یا اعدا کا کوئی حملہ ہے۔ سب سے آگے بڑھ کر جو لوگ سینہ سپر ہوں گے وہ سابقون ہوں گے۔ غرض جو لوگ نیکی اور بھلائی کے ہر معاملے میں سبقت کرنے والے ہیں اور خدا کے دین کے ہر کام میں سبقت کرنے والے ہیں، وہ سابقون ہیں۔

اللہ کے مقرب بندے

أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿١٢﴾ (۵۶:۱۱-۱۲) وہی تو مقرب لوگ ہیں جو نعمت بھری جنتوں میں رہیں گے۔

وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب ہیں۔ ان کی حیثیت مقربین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نزدیک ان کو لے آئے گا۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿١٤﴾ (۵۶:۱۳-۱۴) اگلوں میں سے بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے کم۔

ایک جم کثیر ہوں گے اوّلین میں سے اور ایک قلیل گروہ ہوگا آخرین میں سے۔ یہ اوّلین اور آخرین اس لحاظ سے نہیں ہے کہ تاریخ کے ابتدائی دور میں وہ بہت تھے اور تاریخ کے آخری دور میں وہ کم تھے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر نبیؑ کی اُمت میں ابتدائی دور کے جو لوگ ہیں ان میں ایسے سابقون کی تعداد بہت ہوگی اور اس نبی کی اُمت کے آخری دور میں ان کی تعداد کم ہوگی۔

نبوت جب واقع ہوتی ہے اور کوئی نبی جب کھڑا ہوتا ہے تو اس کے اُوپر جو لوگ ایمان لاتے ہیں، ان کے سامنے حقائق خوب ٹھوک بجا کر پوری طرح سے اس طرح سے واضح ہو جاتے ہیں کہ ان کی بہت بڑی کثیر تعداد سچّے دل سے ایمان لاتی ہے۔ نبی جن حالات میں مبعوث ہوتا ہے اور جن حالات میں کام کرتا ہے، ان میں کوئی کچا آدمی اس کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی کچا آدمی اس کے ساتھ چل سکے۔ نبی کی اُمت کے اُوپر آفتیں ٹوٹتی ہیں، سخت سے سخت مظالم اس کے اُوپر ہوتے ہیں، بلکہ احادیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کو آروں سے چیر دیا گیا۔ اب ان حالات میں

کون نبی کا ساتھ دے گا؟ صرف وہ شخص ساتھ دے گا کہ جو یہ یقین رکھتا ہو کہ یہ بندۂ خدا جو حقیقت لے کر آیا ہے بالکل سچی ہے، اور اس کے ساتھ جس کا دل یہ گواہی دیتا ہو کہ جب یہ سچائی ہے تو اس کے لیے دُنیا بھر سے لڑ جانا چاہیے۔ جب یہ سچائی ہے تو اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینا چاہیے، ہر تکلیف کو برداشت کر جانا چاہیے۔ اس کے بغیر کوئی شخص نبی کا ان حالات میں ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس وجہ سے ان میں کثیر تعداد مخلصین و مومنین کی ہوتی ہے۔ اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو خدا اور اس کے دین اور اس کے رسول کی خاطر ہر خطرے، ہر نقصان اور ہر تکلیف کو اُٹھاتے ہیں۔

پھر نبی کی تربیت سے وہ لوگ براہِ راست فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ نبی سے خدا کے دین کو براہِ راست سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے سے وہ علم کے اعتبار سے بھی دین کو زیادہ سمجھنے والے ہوتے ہیں، اخلاق کے اعتبار سے بھی وہ دین کے منشا کے مطابق جیسا انسان ہونا چاہیے ویسے انسان ہوتے ہیں، اور اس کے ساتھ یہ کہ اللہ کے دین کے لیے تکلیفیں اُٹھانے میں بھی سب سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اس بنا پر نبی کی اُمت کے ابتدائی گروہ میں سابقون کی اکثریت ہوتی ہے۔ بعد کے دور میں جب نبی کا مشن کامیاب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو دُنیا میں فتح و نصرت عطا کرتا ہے، اس کے بعد ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی آجاتی ہے کہ جو چلتی ہوئی گاڑی میں سوار ہونے والے ہیں، گاڑی چلانے والوں میں شامل نہیں ہیں۔ گاڑی چلانے میں جو خطرات ہیں وہ دوسرے بھگت چکے ہوتے ہیں۔ جب گاڑی چل چکی ہوتی ہے، خوب تیز رواں ہوتی ہے، اس وقت ہر ایک سوار ہونے کو تیار ہوتا ہے۔

اس وجہ سے اس کے بعد پھر ان لوگوں کی تعداد جو سبقت کرنے والے ہیں، کم رہ جاتی ہے۔ اگرچہ خدا کا دین چلتا انھی سبقت کرنے والوں کی وجہ سے ہے۔ سبقت کرنے والے ہی اپنی جانیں لڑاتے ہیں اور سبقت کرنے والے ہی اس کا جھنڈا بلند کرتے ہیں اور سبقت کرنے والے ہی اس کی تبلیغ کرتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح کا کام کرتے ہیں۔ یہ کام برابر جاری رہتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی ان کی اقلیت ہوتی ہے، اکثریت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداً اُمت میں اکثریت سابقون کی ہوتی ہے اور بعد میں اُمت میں ان کی قلیل تعداد رہ جاتی ہے۔ اسی بات کو یہاں بیان کیا گیا ہے کہ اُمت کے ابتدائی دور میں سابقون کثیر تعداد میں ہوں گے اور بعد کے دور میں قلیل تعداد میں (جاری)۔ (ریکارڈنگ: حفیظ الرحمٰن احسن، وتدوین: امجد عباسی)